بجناب محمد یوسف فاروقی

اسلام میں سیاست و مملکت کی حقیقی بنیادیں

یہ بات بڑی امید افزا ہے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں میں آج اسلامی نظام حکومت، اسلامی طرز سیاست اور اسلامی مملکت کے قیام کی ضرورت کا زیادہ شدت کے ساتھ احساس ابھر رہا ہے۔ اس کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ دنیا بھر میں مختلف قسم کے نظامہائے حکومت کا انسانوں نے تجربہ کیا ہے اور ہر وہ نظام جسے انسان نے اپنی فلاح و کامیابی کا ضامن جان کر اپنایا تھا تجربات نے ثابت کیا کہ یہ تمام نظام انسانی مشکلات و مسائل کے حل میں ناکام رہے ہیں۔ بلکہ ان انسانی نظاموں نے بہت سی ایسی مشکلات پیدا کیں جو انسانوں کے لئے مزید بے چینی اور پراگندگی کا باعث ہوئیں۔ انسان جس امن و سلامتی، عدل و انصاف اور ذہنی سکون کا متلاشی تھا وہ اسے حاصل نہیں ہو سکا۔ اس بات کا احساس آج مغربی مفکرین کو بھی ہو رہا ہے۔ وہ بھی یہ بات محسوس کر رہے ہیں کہ انہوں نے جس لادینی اور مادی نظام کو اپنایا تھا اس نے انہیں مجموعی طور پر مشکلات و مصائب سے دوچار کیا ہے۔ اور اجتماعی عدل، امن و سکون اور ذہن و قلب کی آسودگی حاصل نہیں کر سکے۔ اگر مغربی مفکرین تعصب سے بالاتر ہو کر دین اسلام کا مطالعہ کریں تو وہ بھی یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اسلام ہی وہ واحد نظام حیات ہے جو انسان کی فلاح و سعادت کا جامع پروگرام رکھتا ہے۔

مسلم مملکتوں نے بھی گذشتہ چودھویں صدی ہجری میں مغرب و مشرق کے مختلف قسم کی طرز حکومت کا اچھا خاصا تجربہ کر لیا ہے۔ بہت سی مسلم حکومتیں انہی تجربات میں تباہ ہو گئیں۔ بعض کی جغرافیائی حدود سمٹ گئیں اور بعض اندرونی و بیرونی خلفشار کا شکار رہیں۔ مصائب و مشکلات کی ہر طرف سے یلغار ہے۔ ایک مشکل کا حل نکالتے ہیں۔ وہی حل دوسری کئی مشکلات کا سبب بن جاتا ہے۔ ایک مصیبت سے نکلنے کی راہ تلاش کرتے ہیں پھر اس راہ پر چل کر مصائب کی لامتناہی دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔ اس صورت حال میں بعض لوگوں میں مایوسی کی کیفیت بھی پیدا کی ہے۔ لیکن مسلمانوں کی اکثریت ابھی تک ناامید نہیں ہوئی۔ بلکہ انہیں یقین ہے کہ ان کا دین انہیں عدل و انصاف، امن و سکون، طمانیت ذہن و قلب اور مکمل فلاح و سعادت کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ یہی یقین ان میں اسلامی طرز زندگی اور اسلامی نظام حکومت و سیاست

کے احساس کو بیدار کر رہا ہے۔

امت مسلمہ کی اس بیداری اور احساس کے پیش نظر یہ خیال پیدا ہوا کہ ان بنیادی اصولوں کی نشاندہی کر دی جائے جو اسلامی نظم مملکت اور اسلامی طرز سیاست کے لئے اساسی روح ہیں۔

دین کا تصور | ان اصولوں میں سب سے زیادہ نمایاں مقام دین کو حاصل ہے۔ دین دراصل ایمان (عقائد) و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ جو انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک تمام زندگی کو محیط ہوتا ہے۔ دین میں عقائد کو سب سے زیادہ مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ جب عقائد دل و دماغ میں راسخ ہو جاتے ہیں تو عملی زندگی خود بخود عقائد کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ عقیدہ ہی وہ موثر ترین قوت ہے جو ایک طاقتور ضمیر پیدا کرتا ہے۔ وہ ضمیر جو حق و صداقت، عدل و انصاف اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہر وقت تیار اور فحشاء و منکرات کی بیخ کنی کے لئے ہر لمحہ مستعد رہتا ہے۔ عقائد میں جس قدر استحکام ہوگا عمل بھی اسی قدر قوت کے ساتھ صادر ہوگا۔ امت مسلمہ کے تمام شعبہ ہائے زندگی میں اصلاح و خیر کا پہلو عقائد کی قوت سے نمایاں ہوتا ہے۔ توحید، رسالت، آخرت، جزا و سزا اللہ تعالیٰ کی عدالت میں تمام اعمال کا محاسبہ اور تقدیر پر ایمان۔ یہ تمام عقائد اسلام کے تمام شعبوں کے لئے اور امت مسلمہ کی تمام زندگی کے لئے روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس طرح درخت کی تمام ترشادابی اور اس کی شاخوں کی سرسبزی کا دارومدار جڑ سے وابستگی پر ہے۔ اسی طرح ہماری زندگی کے تمام شعبوں میں فلاح و خیر کا دارومدار عقیدہ سے وابستگی پر ہے۔ اگر عقیدہ کی روح سے علیحدہ کر کے کسی ادارے یا کسی شعبے کو قائم کریں گے تو وہ ہرگز مفید ثابت نہیں ہوگا۔ جس طرح کسی درخت کی شاخ کو تنا سے الگ کر کے اسے اس غذا سے محروم کر دیا جائے جو اسے جڑ سے حاصل ہوتی ہے۔ ایسی شاخ یقیناً مرجھا جائے گی۔

یہی حال ہمارے تمام شعبہ ہائے زندگی کا ہے۔ آج ہمارا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ ہم اپنے نظام تعلیم و تربیت میں عقائد کو بنیادی اہمیت نہیں دیتے۔ اس بات کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ کہ اسلامی عقائد کو صحیح طرح سمجھایا جائے انہیں دل و دماغ میں راسخ کیا جائے۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ آغوش مادر سے لے کر تعلیم و تعلم کی اعلیٰ درس گاہوں تک ہر جگہ عقائد کو اس طرح سمو دیا جاتا کہ ہم جتنا تعلیم کے میدان میں آگے بڑھیں قلب و دماغ پر عقائد کی گرفت اتنی ہی مضبوط ہوتی چلی جائے۔

دین کا دوسرا جزء عمل ہے۔ اسلام نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے جامع ہدایات دی ہیں اور قرآن و سنت کو امت مسلمہ کا دستور حیات قرار دیا ہے۔ قرآن و سنت نے ہماری معاشرتی، اخلاقی، سیاسی اور اخلاقی و اقتصادی زندگی سے متعلق اصولی ہدایات دی ہیں۔ فقہاء اسلام نے قرآن و سنت کی روشنی میں ہماری اجتماعی زندگی سے متعلق وسیع پیمانہ پر قانونی نکات بیان کئے ہیں جو ہماری عملی زندگی میں رہنمائی کرتے ہیں۔

امت کا تصور | دوسری بنیادی چیز امت کا تصور ہے۔ وہ تمام افراد جنہوں نے دین اسلام کو قبول کر لیا ہے اور اپنی عملی زندگی کو قرآن و سنت کے تابع کر لیا ہے وہ سب ایک امت کے ارکان ہیں۔ خواہ ان کا تعلق کسی خطے کسی علاقے اور کسی نسل سے ہو وہ دنیا کی کوئی بھی زبان بولتے ہوں۔ علاقائی، جغرافیائی، لسانی اور زبانی فرق کی کوئی حیثیت نہیں۔ کلمہ جامعہ صرف اسلام ہے۔ قرآن حکیم نے تمام مسلمانوں کو ایک برادری قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے "انما المؤمنون اخوۃ" یقیناً تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ تو وہاں کے دو اہم قبائل اوس و خزرج نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ دونوں قبیلے جو طویل عرصہ سے باہمی جنگوں اور خون ریزی میں مبتلا تھے۔ ایک دوسرے کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ قبول اسلام کے ساتھ الفت و محبت کے ایک نئے دور میں داخل ہو گئے۔ آپس میں خلوص و محبت کا لازوال رشتہ قائم ہو گیا۔

قرآن حکیم نے ان کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔

" فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا " تمہارے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے جوڑ دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ تم آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ (آل عمران ۱۰۳) دنیا بھر میں جب اور جہاں کہیں لوگ دین اسلام کو قبول کر لیں گے۔ تو وہ بھی اس عالمگیر برادری کا حصہ بن جائیں گے" فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ " اگر یہ لوگ توبہ کر لیں۔ نماز قائم کریں۔ اور زکوٰۃ ادا کریں تو یہ بھی تمہارے بھائی ہیں کہ دین میں داخل ہو چکے ہیں (توبہ ۔ ۱۱)

افراد صرف رسمی بھائی نہیں ہوتے بلکہ ایک دوسرے کے مخلص، قابل اعتماد اور خیر خواہ دوست ہوتے ہیں" والمومنون والمومنات بعضهم اولیاء بعض " مسلمان مرد و خواتین آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں (توبہ ۷۱) سورہ مائدہ میں انصار و مہاجرین کو ایک دوسرے کا ولی قرار دیا ہے (المائدہ ۵۱)

حدیث نبوی میں افراد امت کی باہمی ولایت اور وحدت کے تصور کو بہت جامع انداز میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:۔

"مثل المومنین فی توادھم وتراحمھم کمثل جسد۔ اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالحمی والسھر"

مسلمانوں کی مثال باہمی محبت اور جذبہ رحم دلی میں جسم واحد کی طرح ہے کہ اگر ایک جسم کا کوئی عضو تکلیف و درد میں مبتلا ہو تو سارا جسم بخار اور بے چینی محسوس کرتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔ کہ

"المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً"

ایک مومن کا دوسرے مومن کے ساتھ ایسا تعلق ہوتا ہے جس طرح کسی مضبوط عمارت کہ جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوطی سے تھاما ہوتا ہے۔

دین اسلام کو نظام حیات تسلیم کرنے والے لوگ دنیا کے کسی بھی خطے میں آباد ہوں۔ کوئی بھی زبان بولتے ہوں وہ تمام امت مسلمہ کے ارکان ہیں اور یہ امت ایک ہی امت ہے۔

اِنّ هٰذه امتکم امة واحدة وانا ربکم فاعبدون

"یہ آپ کی امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔ پس میری ہی عبادت کرو" (الانبیاء ۹۲)

امت مسلمہ کے ان ارکان پر اگر دنیا کے کسی خطے یا کسی علاقے میں ظلم و تشدد ہو تو وہ پوری امت مسلمہ پر ظلم و تشدد تصور ہوگا۔ اسے کسی ملک کا داخلی معاملہ کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

عہد نبوی میں جب مکہ کی شہری مملکت نے ان کمزور مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جو ہجرت کر جانے کے قابل نہ تھے۔ تو قرآن حکیم نے ان مظلوم مسلمانوں کی خاطر قتال کا حکم دیا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ
وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ
لَّنَا مِن لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَّنَا مِن لَّدُنْكَ نَصِيرًا۔

اور تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان کمزور مردوں عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں اس بستی سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال لے اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنادے اور اپنی جانب سے کسی کو ہمارا مددگار بنادے۔ (النساء ۷۵)

قرآن حکیم نے اس امت واحدہ کی مختلف صفات بیان کی ہیں جن سے اس کا تشخص بھی واضح ہو جاتا ہے اور اس کے مقاصد پر بھی روشنی پڑتی ہے مثلاً اسے "امت وسط" کہا ہے۔ یعنی اعتدال کی راہ پر گامزن اور عدل و انصاف قائم کرنے والی امت بنایا ہے تاکہ دنیا بھر میں شہادت حق کا فریضہ انجام دے سکے۔ (دیکھئے البقرہ آیت ۱۴۳) امت کی ایک صفت "مقتصدہ" بھی آئی ہے۔ یعنی سیدھی راہ پر چلنے والی امت (المائدہ ۶۶) اسے "امت مسلمہ" بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ امت جس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہو جو ہر صورت اور ہر قسم کے حالات میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہوتی ہو کسی صورت میں اس کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتی (البقرہ) انہی عظیم مقاصد کے پیش نظر اسے "خیر امت" یعنی بہترین امت قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ دنیا بھر میں معروف کے قیام اور منکرات کی روک تھام کے لئے جدوجہد کرتی ہے (آل عمران ۱۱۰)

خلافت | تیسری بنیادی چیز نظریہ خلافت ہے۔ ادب اسلامی میں خلافت ایک جامع اصطلاح ہے۔ اور

مسلمانوں کے سیاسی نظام اور مملکت کے مفہوم کو بھی ٹھیک ٹھیک ادا کرتا ہے۔ یہ فرائض نبوت کی بجا آوری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت سے عبارت ہے۔ مقاصد نبوت کی تکمیل کے لئے ہر دور اور ہر زمانہ میں خلافت کا قیام ضروری ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے ایک روایت ہے جس سے خلافت کے مفہوم، اسلام میں سیاست اور اس کے مقاصد کی بخوبی وضاحت ہوجاتی ہے۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبی خلفه نبی و انه لا نبی بعدی ، وستكون خلفاء

(رواه الشيخان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنو اسرائیل کی قیادت و رہنمائی انبیاء علیہ السلام فرماتے تھے جب ایک نبی (دنیا سے) رحلت کر جاتے تو اللہ تعالیٰ دوسرے نبی کو مبعوث فرما دیتے لیکن میرے بعد ہرگز کوئی نبی نہیں ہوگا۔ ہاں میرے بعد خلفاء ہوں گے۔[1]

خلافت کا تسلسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد شروع ہوگیا تھا۔ خلافت کے ادارے نے امت مسلمہ کی سیاسی و معاشرتی تنظیم کی۔ اصلاح و تربیت کے ادارے قائم کئے۔ انسانی حقوق کی نگہبانی کی اور انسانی تاریخ میں مکمل طور پر عدل و انصاف قائم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کو اس سے دینی اور جذباتی لگاؤ ہے۔ نظم خلافت صدیوں تک دنیا میں قائم رہا۔ اور اسی نظم و سیاست و مملکت کے تحت امت مسلمہ نے علمی، تہذیبی اور تمدنی میدان میں اقوام عالم کی قیادت کی اور دنیا کے سامنے عدل و انصاف، اخلاق و کردار اور علم و عمل کی وہ روشن مثالیں پیش کیں جن کی نظیر دیگر نظامہائے مملکت پیش نہیں کر سکتے۔

ہمارے خیال میں آج بھی خلافت ہی ایسا نظام حکومت ہے جو دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر سکتا ہے۔ اور ان میں تنظیم و وحدت کی روح پیدا کر سکتا ہے۔ صرف یہی نظام سیاست ہے جو امت مسلمہ کی منتشر قوتوں کو جمع کرنے اور ان کی عملی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ اور آج کے دور کی سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی مشکلات کو پوری طرح حل کر سکتا ہے۔ اس نظام کی بنیاد جاہلانہ رسم و رواج یا علاقائی عرف و دستور پر نہیں بلکہ علمی اور فطری بنیادوں پر قائم ہے۔ اور رائج الوقت تمام سیاسی نظاموں سے زیادہ جامع اور مستحکم ہے اس لئے کہ یہ ادارہ دین و عقیدہ اور علم وحی کی اساس پر قائم ہے۔

انسان کے خود ساختہ نظاموں میں انسانوں پر انسانوں کی حاکمیت کا تصور پایا جاتا ہے۔ جب کہ اسلام اس تصور کو

---

[1] شیخ منصور علی " التاج الجامع للاصول فی احادیث الرسول ج ۳ ص ۴۳

بالکل رد کرتا ہے۔ ایک طرف حکمران طبقہ اور ان کا خاندان ہوتا ہے جو تمام مراعات کا مستحق، قوت و طاقت کا مالک اور یہ قسم کی خدمت کا مستحق ہوتا ہے۔ دوسری طرف محکوم طبقہ ہوتا ہے۔ جو ہر وقت حکمرانوں اور ان کے خاندان والوں کی خدمت کے لئے مستعد رہتا ہے۔ تاریخ میں اس قسم کی غیر انسانی طبقاتی تقسیم کے کبھی بھی اچھے نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ بلکہ انسانوں کی حاکمیت کے اسی تصور نے آقاؤں، غلاموں، جاگیرداروں اور بے لگام بادشاہوں کو جنم دیا۔

خلافت کی تعریف | خلافت کی اگر کوئی مختصر اور جامع تعریف ہو سکتی ہو تو وہ یہ ہو گی کہ خلافت وہ منظم ادارہ ہے جو بحیثیت نیابت رسول حقوق اللہ اور حقوق العباد کی نگرانی کا فریضہ انجام دے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے خلافت کی تعریف اس طرح کی ہے۔

ھی الریاسۃ العامۃ فی التصدی لاقامۃ الدین باحیاء العلوم الدینیۃ و اقامۃ ارکان الاسلام و القیام بالجھاد وما یتعلق بہ من ترتیب الجیوش والفرض للمقاتلۃ، و اعطاءھم من الفئی و القیام بالقضاء و اقامۃ الحدود، ودفع المظالم و الامر بالمعروف، والنھی عن المنکر نیابۃ عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم۔

خلافت وہ عمومی ریاست ہے جو بالفعل بحیثیت نیابت نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) وجود میں آئی ہو، اور جو اقامت دین، علوم دینیہ کا احیاء۔ ارکان اسلام کا قیام، جہاد کا قیام، لشکروں کی تشکیل و ترتیب، سپاہیوں کے وظائف کا تقرر۔ مال غنیمت کی تقسیم۔ عدلیہ کا قیام۔ حدود کا نفاذ ظلم کا خاتمہ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دے۔

(ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء ج ۱ ص ۲۰)

شاہ ولی اللہ مرحوم نے تعریف ہی میں فرائض و ذمہ داریوں کو بھی بیان کر دیا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے خلافت کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے کہ "خلافت دین کی حفاظت دیکھ بھال اور دنیا کی سیاست رانی میں شارع علیہ السلام کی صحیح صحیح نیابت و جانشینی کا نام ہے"[1]

قرآن و سنت میں نظم مملکت، سیاسی امور اور اجتماعی معاملات سے متعلق اصولی ہدایات ملتی ہیں۔ تفصیلات اور جزوی احکام بیان نہیں ہوئے۔ البتہ یہ اصولی ہدایات اس قدر جامع ہیں کہ ان کے اندر رہتے ہوئے ہر دور اور ہر زمانہ میں فقہا اور اہل علم استنباط کر سکتے ہیں۔ ہمارے فقہاء نے بے شمار فقہی نکات بیان بھی کئے اور ان سے احکام کا استنباط کر کے امت مسلمہ کی رہنمائی بھی کی ہے۔

ہمارے خیال میں تین اصول خلافت کے لئے بہت اہم ہیں۔ جب بھی کوئی مملکت ان پر عمل پیرا ہو جائے گی نظم خلافت وجود میں آجائے گا۔

---

[1] مقدمہ ابن خلدون۔ ترجمہ مولانا سعد حسن ٹونکوی ص ۲۱۶

نظم خلافت کا پہلا اصول | سب سے اہم بات اقتدار اعلیٰ کی ہے۔ موجودہ سیاسی نظاموں میں اقتدار اعلیٰ پارلیمنٹ یا حکمران پارٹی کی سپریم کونسل کو حاصل ہوتا ہے۔ ملوکیت کے دور میں یہ حق بادشاہ وقت کے پاس ہوتا تھا۔ لیکن اسلام میں یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے۔ یہی وہ بنیادی اصول ہے جو خلافت کو دنیا کے تمام سیاسی نظاموں سے ممتاز کرتا ہے۔ خلافت صدیقی سے لے کر خلافت عثمانیہ تک چند مستثنیات کے علاوہ تقریباً تمام مسلمان حکمرانوں نے اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کیا ہے۔ اور قانون شریعت مملکت کے قانون کی حیثیت سے رائج رہا ہے۔ اس لحاظ سے خلافت کا دور خلافت عثمانیہ تک برقرار رہا ہے۔ اسے صرف خلافت راشدہ تک محدود کر دینا اور حضرت علیؓ کی خلافت کے بعد سے ملوکیت کا آغاز قرار دینا غلط ہے۔ اس وقت ہم اس بحث کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتے۔

اقتدار اعلیٰ کی جو خصوصیات بیان کی جاتی ہیں وہ تمام کی تمام اپنے کمال کے ساتھ نہ کسی انسانی فرد میں پائی جا سکتی ہیں اور نہ کوئی ادارہ یا کوئی کونسل ان تمام خصوصیات کی حامل ہو سکتی ہے۔

اسلام کا تصور توحید اس قدر جامع ہے اور ان تمام خصوصیات کا حامل ہے جنہیں اقتدار اعلیٰ کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا حقیقی معنی میں اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے پاس ہو بھی نہیں سکتا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:۔

ان الحکم الا للہ امر ان لا تعبدوا الا ایاہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اس کی عبادت کی جائے یہی دین محکم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف ۴۰)

سورہ مائدہ میں زمین و آسمان اور کائنات کی ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی حکومت کو بیان کیا ہے۔

للہ ملک السموٰت والارض وما بینھما یخلق ما یشاء۔ (المائدہ ۱۷)

زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔

اس مضمون کی وضاحت متعدد آیات میں ملتی ہے۔ (دیکھئے المائدہ آیات ۱۸ - ۱۲۰ - آل عمران ۱۸۹ - اور توبہ ۱۱۶ وغیرہ)

اللہ تعالیٰ کے اس کامل اقتدار میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

لا یشرك فی حکمه احداً (کہف ۲۶) وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں بناتا۔

لم یکن له شریك فی الملك (بنی اسرائیل ۱۱۱) حکمرانی میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اقتدار اعلیٰ تسلیم کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کا پابند ہے وہ اس کے عطا کردہ دستور یا کسی قانون کو نہ منسوخ کر سکتا ہے نہ معطل۔ نہ ہی انسان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ

کوئی ایسا قانون بناتے جو قانون الٰہی کے خلاف ہو۔ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب مملکت اسلامیہ کا ایسا دستور ہے جو ہر دور ہر زمانہ میں ہر ہر فرد مسلم پر واجب الاطاعت ہے۔ اسی طرح قرآن کریم نے اسوۂ رسول اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی واجب العمل قرار دیا ہے۔ لہذا قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون۔ ضابطہ حکم یا فرمان جائز نہیں ہے۔ (یعنی اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے) مملکت اسلامیہ کے تمام قوانین اور جملہ احکام کا اصل ماخذ قرآن وسنت ہی ہوں گے۔

نظام خلافت کا دوسرا اصول | دوسری بنیادی چیز نظم خلافت میں شوریٰ ہے۔ اسلامی مملکت کے تمام معاشرتی اور سیاسی ادارے شورائی نظم کے تحت کام کرنے کے پابند ہیں۔ قرآن حکیم نے امت مسلمہ کو باہمی مشاورت سے اپنے معاملات طے کرنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن کریم میں شوریٰ سے متعلق دو آیات ہیں۔ اس سلسلہ کی پہلی سورہ شوریٰ میں ہے۔

والذین استجابوا لربہم و اقاموا الصلوٰۃ و امرھم شوریٰ بینھم ومما رزقنھم ینفقون (شوریٰ - ۳۸)	اور جنہوں نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا اور نماز کو قائم کیا اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں بخشا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں قرآن حکیم نے اپنے مشہور اسلوب سے ہٹ کر اسلام کے دو بنیادی ارکان، اقامت الصلوٰۃ اور انفاق کے درمیان شوریٰ کا ذکر کیا ہے تاکہ اس کی اساسی اہمیت واضح ہو جائے اور اس کا ٹھیک ٹھیک مقام متعین ہو جائے۔ ابوبکر جصاص جو غیر معمولی قانون بصیرت کے مالک تھے اس آیت کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں کہ

و یدل علی انھا ماموروں بھا	یعنی قرآن حکیم کا یہ اسلوب دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ (صحابہ کرام) مشورہ کے لئے مامور تھے[1]

شوریٰ سے متعلق دوسری آیت سورۂ آل عمران میں ہے۔

فبما رحمۃٍ من اللہِ لنتَ لھم ولو کنتَ فظاً غلیظَ القلبِ لا نفضوا من حولک فاعفُ عنھم و استغفر لھم	یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ ان کے لئے نرم خو ہیں اگر آپ درشت خو اور سخت مزاج ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ سو آپ ان سے درگذر کریں

---

[1] جصاص ابوبکر۔ احکام القرآن ج ۳ ص ۳۸۶

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ.

(آل عمران ۱۵۹)

ان کے لئے مغفرت چاہیں اور معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہیں اور جب آپ فیصلہ کریں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب مدینہ منورہ میں اسلامی مملکت کا سیاسی شخص ابھر رہا تھا اور نقشہ عالم پر ایک ایسی مملکت کے نقوش نمایاں ہو رہے تھے جو دنیا کو ایک نئے اجتماعی نظام سے متعارف کرانے والی تھی۔ وہ اجتماعی نظام جس کی بنیاد عدل ومساوات اور اعلیٰ اخلاقی اقدار پر ہے۔

ابو حیان اندلسی نے اس آیت کی تفسیر میں بہت اچھا نکتہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے معاملات میں مشورہ کرنے کا حکم اس لئے دیا تھا تاکہ باہمی مشورہ کو قانونی حیثیت حاصل ہو جائے اور آپ کے بعد لوگ ان تمام معاملات میں جہاں وحی خاموش ہو باہمی مشورہ سے حاصل کریں[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام زندگی اس آیت کے مطابق عمل کیا۔ مکی دور میں دار ارقم ایوان شوریٰ تھا اور مدنی عہد میں مسجد نبوی میں شوریٰ کی اجلاس ہوتے تھے۔ خلفائے راشدین نے بھی بڑی سختی کے ساتھ اس پر عمل کیا اور مشورہ کے بغیر کبھی کوئی اقدام نہیں کیا۔ اسی لئے مسلمان فقہائے شوریٰ کو شریعت اسلامیہ کے اہم اصولوں میں شمار کیا ہے۔ اور ایسے حکام کو جو مشورہ کو نظر انداز کرتے ہوں ان کے عہدوں سے معطل کر دینے کو واجب قرار دیا ہے[2] (باقی)

[1] ابو حیان الشیخ محمد بن محمد "البحر المحیط" ج ۳ صد ۹۹ [2] القرطبی محمد بن محمد ابو عبداللہ "الجامع لاحکام القرآن" ج صد ۲۹

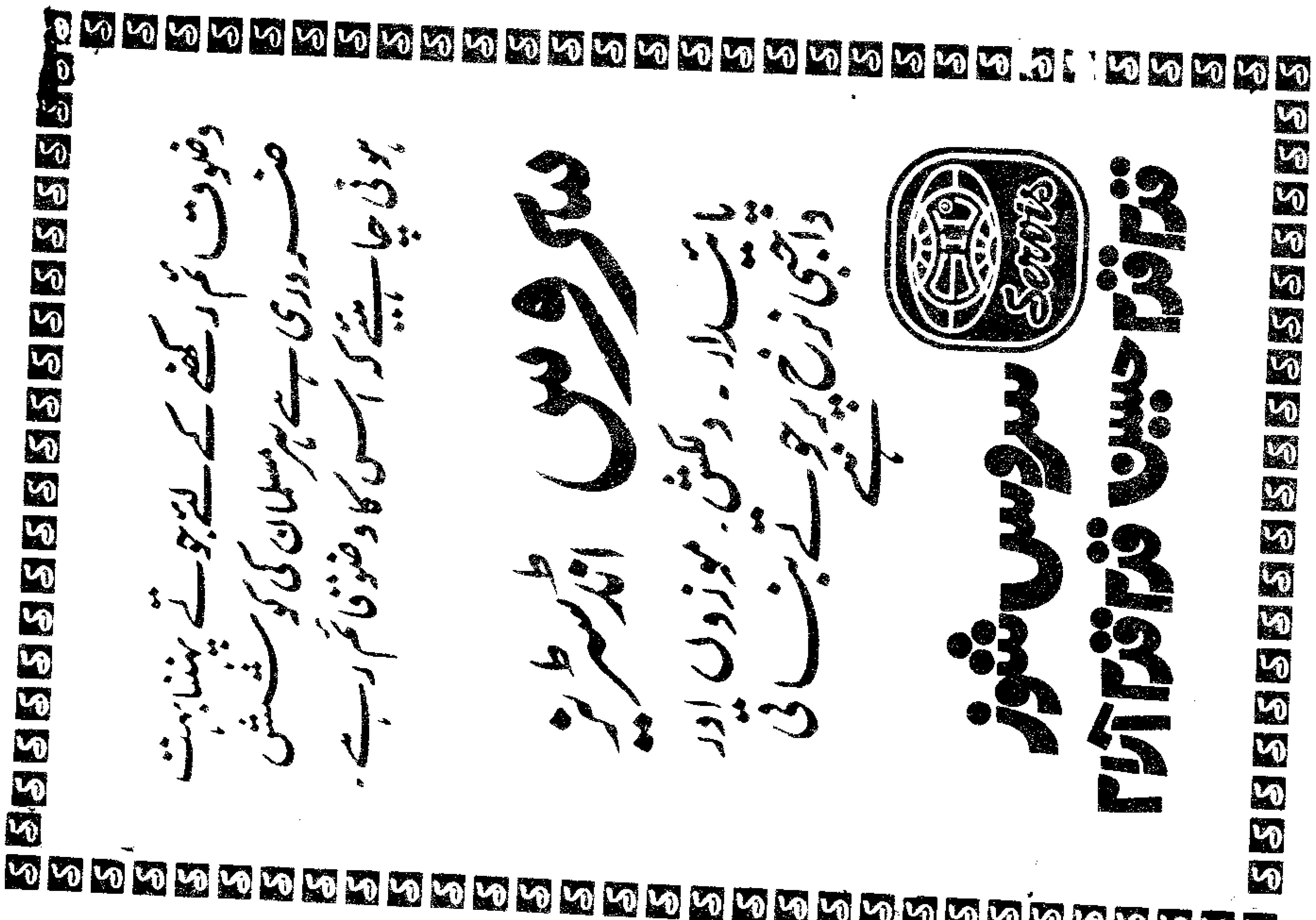

پاکستان بحریہ میں

دینی معلمین

کے لئے کمیشن

پاکستان نیوی میں شارٹ سروس کمیشن میں تقرر کے لئے پاکستانی مرد شہریوں سے دینی معلمین کی حیثیت سے درخواستیں مطلوب ہیں :-

عمر :- ۳۱ ر دسمبر ۱۹۸۴ء کو ۳۵ سال سے زیادہ نہ ہو (مستحق امیدواروں کے لئے عمر کی حد میں رعایت دی جا سکتی ہے -)

تعلیمی قابلیت :- ایم اے اسلامیات معہ فارغ / فاضل سندِ درسِ نظامی - (جامعہ اسلامیہ بہاولپور کا تخصص ایم اے اسلامیات کے مساوی تصور کیا جائیگا)

نا اہلیت

(i) دوبار آئی ایس ایس بی سے رد شدہ

(ii) جنہیں طبی وجوہات کی بنا پر اپیل میڈیکل بورڈ نے نا اہل قرار دیا ہو -

(iii) جنہیں سرکاری ملازمت سے برطرف کیا گیا ہو -

طریقِ انتخاب

(i) کسی فوجی شفاخانے سے طبی معائنہ

(ii) آئی ایس ایس بی امتحان / انٹرویو

(iii) حتمی انتخاب نیول ہیڈکوارٹرز کرے گا -

مقررہ درخواستوں کے فارم اور مزید معلومات کے لئے مندرجہ ذیل پتہ پر لکھیئے یا رجوع کیجئے

۱- ڈائریکٹریٹ ریکروٹمنٹ نیول ہیڈکوارٹرز اسلام آباد - فون :- ۸۲۱۸۹۰

۲- پاکستان نیوی ریکروٹمنٹ اور سلیکشن سینٹرز :-

کراچی :- ۷ لیاقت بارکس رفیقی شہید روڈ -
فون :- ۵۱۶۴۳۴

لاہور :-
۲۳/ ایف ظفر روڈ لاہور کینٹ فون :- ۳۷۰۴۹۸

ملتان :-
۵۷/ جی شیر شاہ روڈ ملتان کینٹ - فون :- ۳۰۱۰۹

راولپنڈی :-
ڈی - ۸۵ - روڈ نمبر ۶ سٹلائٹ ٹاؤن،
فون :- ۸۴۰۴۶۴

ڈائریکٹوریٹ آف ریکروٹمنٹ ، نیول ہیڈکوارٹرز اسلام آباد میں درخواستیں وصول ہونے کی

آخری تاریخ ۳۰ ر جون ۱۹۸۴ء

ADGROUP

PID/Islamabad.